کیرالہ میں نوآبادیاتی طاقتوں کے خلاف جدوجہد میں کربلا کے اثرات

پروفیسر کنھ علی☆

بوہرہ مسلم فرقہ کسی زمانے میں کیرالہ کے ممتاز بیوپاری طبقوں میں شمار کیا جاتا تھا اور کیرالہ کی سماجی زندگی میں یہ لوگ اپنا اثر قایم کیے ہوئے تھے۔ یہ یہاں اٹھارویں صدی میں آکر سکونت پذیر ہوئے تھے۔ موجودہ دور میں ان کے ۳۰ خاندان کالی کٹ میں، ۸ کنور میں، ۲۵ کوچین میں، ۱۲/الاپورہ میں اور ۱۵ منگلور میں مقیم ہیں۔ کالی کٹ میں ۱۰۰ سال پرانی ایک مسجد ہے جو ساؤتھ بیچ روڈ کی بورہ آبادی میں واقع ہے۔ اس کے 'عامل' اجین کے شیخ عباس ہیں۔

یہ لوگ ۲ تا ۱۰ محرم تبلیغ کرتے ہیں اور دس محرم کو فاقہ کرتے ہیں۔ پورا فرقہ عزاداری میں شریک ہوتا ہے۔ کیرالہ کی زندگی کی ایک خصوصیت پیغمبر خدا حضرت محمدؐ اور ان کے خاندان سے گہری محبت وعقیدت ہے۔ ملک کے اس حصے میں تاجروں نے اسلام کو متعارف کرایا۔ گوکہ 'تحفہ شیخ زین الدین مخدوم ۱۵۷۳ء[1] اور مقامی تحریری مآخذ۔ 'کیرالا پازاما (مال) اور 'کورالول پائی[2] کے مطابق کیرالا میں اسلام کی آمد کو حضرت محمدؐ کے دورِ حیات میں ہی بتایا گیا ہے مگر زیادہ امکان یہ ہے کہ آنحضرتؐ کی وفات کے فوراً بعد، اسلام کے ابتدائی عروج کے وقت، اسلام کا تعارف ہندوستان کے جنوب مغربی ساحلی علاقوں میں ہوا۔ ساحلی شہروں میں عربوں نے پہلے اسلام قبول کیا۔ تجارتی گروہوں کی کچھ مخصوص چیزوں میں دلچسپی تھی اور کچھ مقررہ مخصوص عملوں کا اُن کا اپنا ایک دائرہ تھا۔ یہ بھی تحقیق ہوئی ہے کہ عرب تاجروں میں خالص عرب ہی نہیں تھے بلکہ ان میں ایرانی اور 'ایرانیائی عرب' بھی تھے۔

ایرانی ثقافتی حلقے کا اثر اس حقیقت سے مترشح ہوتا ہے کہ 'ظفر صرّاف'، بصرہ، قیس، عمان اور یمن

☆ کالی کٹ یونیورسٹی، کیرالہ

۱۔ شیخ زین الدین مخدوم، تحفۃ المجاہدین بعض احوال البرتقالیین (۱۵۷۳)

۲۔ ملیالی تحریریں، ۱۷ ویں ۱۸ ویں صدی

جیسے قرونِ وسطیٰ کے تمام تجارتی مراکز خلیج فارس کے علاقے سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس کے علاوہ ہمیں تارساپلی کی تانبے کی تختی میں مارسا پیراایسو کو دی گئی مراعات کی تصدیق کرنے والوں میں کوفی رسم الخط میں دستخط ملتے ہیں۔

اسلام کا کیرالہ میں تعارف خلیج فارس کے راستے ہوا، جس کا مطلب ہے کہ وہ خلیفہ عمر کے دور سے پہلے نہیں ہوسکتا تھا۔ فارسی کا یہ اثر کچھ مذہبی اہمیت کے عام اور معروف لفظوں سے ظاہر ہوتا ہے۔ ہندوستان بھر میں صرف ماپلا (کیرالہ کے مسلمان) ہی نماز کے لئے 'اذان' کے بدلے 'بانگ' (بانگ) کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔ ماپلاؤں میں سنگِ مزار کے لیے 'میزان کالو' کا لفظ استعمال ہوتا ہے جو یقیناً 'نشاکالو' (نشان کا پتھر) ہے۔ گھریلو استعمال کے الفاظ میں، مثال کے طور پر، بیالے کے لیے، کاسا پجانم اور مٹھائی کے لیے شیرنی فارسی، شیریں، سے لیا گیا ہوگا۔ بنیادی فقہ اور نحو کی کتابوں میں کتنے ہی الفاظ 'از' اور 'در' جیسے موجود ہیں۔[۱]

مختصراً جو اسلام ابتدائی منزل میں کیرالہ میں پہنچا وہ ایرانیائی عرب کے معیار و اقدار کا ایک انوکھا امتزاج تھا جسے مصدقہ اسلام مان لیا گیا تھا۔ اس طرح جنوب ایشیا کے اسلام میں، باوجود یکہ یہ عمومی سنی خصوصیات کا حامل ہے، کچھ مضبوط شیعہ اثرات بھی نظر آتے ہیں۔ ہمیں یہاں کے ہر گھر میں لوگوں کے ناموں میں شروع حصے میں یا آخر میں علی، فاطمہ، حسن اور حسین کی موجودگی نظر آتی ہے۔ جیسے زامورین کے بحریہ کمانڈر کوہا+علی+ مرارکار تھے۔ قادری طریقت کے شیخ الایدسویاو العلویہ کے ناموں میں علی شامل ہے، محمد علی، صادق علی، بشیر علی وغیرہ۔[۲]

مگر یہ چیزیں شیعہ عقیدے کی طرف رہنمائی نہیں کرتیں۔ کونڈوٹی، ٹانگل، جب کونڈی میں اٹھارویں صدی کے ابتدائی حصے میں پہنچے اور انھوں نے مریدوں سے شیخ کے سامنے ماتھا ٹیکنے پر اصرار کیا تو لوگوں نے اس پر اعتراض کیا، علماء نے فتویٰ دیا کہ یہ غیر اسلامی طریقہ ہے، پورا ماپلا طبقہ 'پوتانی کائی اور کونڈوٹی کائی'[۳] میں بٹ گیا۔ اس سلسلے میں بڑی مقدار میں عربی ملیالی ادب تخلیق ہوا جو دینیات کے مختلف رخوں اور فروعی حصوں سے تعلق رکھتا تھا، آخر میں کونڈوٹی، ٹانگل کو یہ اعلان کرنا پڑا، ''خدا میرا محافظ ہے، محمد میرے رسول ہیں اور کرم علی میرے پیر''۔

۱- جان ایل، ایسپازٹس: آکسفورڈ انسائیکلوپیڈیا آف دی میڈیول اسلامک ورلڈ، آکسفورڈ (۱۹۵۵) صفحات ۴۷-۳۴۶

۲- یہ محمد علی منگل، صدر کیرالہ اسٹیٹ مسلم لیگ کا طریقہ ہے

۳-کائی (ہاتھ) گروپ رمسلک

۷۵۰ عیسوی سے ایرانی اسلام، جس میں عباسی دور کی دانشوری اور تہذیبی خصوصیات کا عمل دخل تھا، مسلمان تاجر طبقہ اسی کی تبلیغ اور نمائندگی کر رہا تھا۔ قدرتی طور پر کربلا، اس کی عظمت اور اس سے متعلق جذبات و احساسات بھی پھیل رہے تھے۔

مالابار میں جو صوفیت پھیلی اور پروان چڑھی وہ اپنے مقامِ پیدائش سے سمندر کے راستے، براہِ راست مالابار پہنچی اس لیے یہ بیرونی اثرات سے مبّرا اور غیر اسلامی روایات سے پاک تھی۔ اسی لیے ہمیں ابوالفضل کی فہرست میں ایسے کچھ صوفی سلسلوں کا ذکر نہیں ملتا جو جنوبی ہندوستان میں موجود تھے۔[1]

۱۵۲۱ء میں شیخ عبدالعزیز مخدوم، پوناّنی کے مذہبی تربیتی مرکز کے سربراہ نے ہدایت الاذکیا فی طریقۃ الاولیاء[2] (ذی فہموں کے لیے اولیاء کے راستے کی ہدایت) لکھی جو مالابار میں صوفیت کا ہدایت نامہ مانی جاتی ہے، اس میں انھوں نے تحریر کیا تھا۔

''میرے بھائی! طریقت اور حقیقت ایسے ہیں کہ تم ان دونوں کو شریعت کے اعمال بغیر حاصل نہیں کر سکتے۔

اس کا مطلب ہے کہ صوفیت شریعت کے زیرِ اثر رہی۔ بہر طور رسولؐ اللہ اور آلِ رسول سے گہری محبت وعقیدت ماپلا صوفیت کی ایک اہم خصوصیت رہی۔ ماپلاؤں نے ایک عربی ملیالی بولی (عربی رسم الخط میں لکھی ہوئی ملیالی) کو فروغ دیا جس کے توسط سے دینی اعمال کو نظم کیا۔ اس نظم کا بڑا حصہ رسولؐ، آلِ رسول اور اصحابِ رسول کی مدح و منقبت پر مشتمل تھا۔ لوگ ان منظوم حصوں کو بڑی عقیدت سے پڑھتے تھے، آہ و بکا کرتے تھے اور آنکھوں میں آنسو بھرے دعائیں کرتے تھے جو ہر 'مالا پٹوکل' (ہار) کے آخر میں ایک جزوِ لازم تھیں۔[3]

'تذکرے' یعنی وعظوں کی مناجاتوں میں انسان کے گناہوں پر خصوصی توجہ دی جاتی تھی اور مقرب بندوں کے اعلیٰ درجات کے بیان کے بعد اُن سے سفارش و شفاعت کی درخواست کی جاتی تھی۔

ان نظموں میں رسول اللہ کے بعد فاطمہ زہرا مرکزی شخصیت تھیں۔ شادی بیاہ کے گیتوں میں فاطمہ

۱- حالانکہ ابوالفضل کے پاس مغل ہندوستان کے بارے میں تمام معلومات موجود تھیں لیکن اسے جنوبی ہندوستان کے صوفی سلسلے کے بارے میں واقفیت نہیں تھی۔ جیسا کہ محی الدین مالا (۱۵۷۳) میں محی الدین عبدالقادر جیلانی کے بارے میں بیان کیا گیا ہے قادری سلسلہ صوفی سلسلوں میں بہت متحرک تھا۔ ۲- مالا بار ملائشیا اور مصر کے اعلیٰ تعلیمی مرکزوں میں یہ کتاب نصاب میں داخل تھی اور کیرالہ میں آج بھی پڑھائی جاتی ہے۔ ۳- یہ مالا (ہار) کہلاتے تھے۔ اس کا ایک ایک لفظ یا مصرعہ ہار میں جمائے ہوئے موتی کی طرح تھا۔

عورتوں میں ہیرو کی سی حیثیت کی حامل رہی ہیں۔[۱] جو خوبصورت، مثالی زوجہ، علی کی شریک حیات، اور حسنؑ و حسینؑ کی ماں، ملیالی ادب میں کربلا پر افسانوی ادب (فکشن) تک موجود ہے۔

مالا بار پر کربلا کا تاثر بڑا گہرا اور دیرپا تھا۔ معاشرے کے لیے، انسان کی اپنی روح کے لیے اور حیات بعدازموت کے لیے شہادت کو اعلیٰ ترین قربانی مانا جاتا تھا۔ مالابار میں پرتگالی محض تجارت کی غرض سے نہیں آئے تھے بلکہ ہلال (اسلامی علامت) سے صلیب (عیسائی علامت) کا بدلہ چکانے آئے تھے۔ انھوں نے مسلمانوں سے گرم مصالحے کی تجارت چھینی، جہازوں کو لوٹا، حاجیوں کے جہاز جلائے، قرآن کی بے حرمتی کی، محمدؐ کی شان میں گستاخیاں کیں، مسلمانوں کو غلام بنایا اور عورتوں کی آبروریزی کی۔

شیخ یحییٰ زین الدین مخدوم نے ۱۵۲۱ء میں ''تحریک اهلِ الایمان علی جهاد عبداة الصلبان''، (صلیب کے پرستاروں کے خلاف اہلِ ایمان کو جہاد کی ترغیب) لکھی ۱۵۷۳ء میں ان ہی شیخ زین الدین مخدوم نے "تحفة المجاهدین فی بعض الاحوال برتقالین" (پرتگالیوں کے بعض اقوال کے سلسلے میں مجاہدوں کو تحفہ) لکھی۔[۲]

کتاب کے پہلے باب میں جہاد کی عظمت اور جنت میں شہید کے اعلیٰ درجے کا بیان ہے۔ قرآن و حدیث کے بہت سے اقتباسات کے ساتھ انھوں نے فرمایا کہ جہاد اور شہادت ہر مسلمان مرد اور عورت پر آقا کی اجازت کے بغیر غلام پر، قرض دینے والے کی اجازت بغیر مقروض پر اور شوہر کی اجازت کے بغیر بیوی پر فرض عین ہے۔

ہزاروں لوگ پرتگالیوں سے لڑے اور جامِ شہادت پیا۔ متذکرہ بالا کتابوں کو درس میں پڑھایا جاتا تھا اور وعظوں (تذکروں) میں ان کا پرچار کیا جاتا تھا۔

کالی کٹ کے کنجالی مرکار، جو بحری فوج کے ایڈمیرل ہوتے تھے، بھرتی کے وقت موت تک لڑتے رہنے کا عہد لیتے تھے۔ یہ قلندریہ صوفی برادری میں ہوتا تھا۔ گوا کے سابق گورنر کے محل میں لگی بہت سی بڑی بڑی قلمی تصویروں میں، جو اب گوا میوزیم میں محفوظ ہیں، یہ تعارفی الفاظ نظر آتے ہیں، پرتگالی پادریوں کو مالا باری قتل کر رہے ہیں، ان میں ماپلا قلندروں کو بالکل اسی حلیے میں دکھایا گیا ہے

۱- اب بھی گیتوں کے تجارتی مجموعوں (البموں) میں فاطمہ ایک مرکزی تھیم ہے

۲- 'تحفہ' (۱۵۷۳) کیرالہ کی تاریخ پر پہلا تحریری کام مانا جاتا ہے۔

جیسا خلیق احمد نظامی نے بیان کیا ہے:

''قلندریہ سلسلے کے لوگ عام طور پر سر، بھنویں، داڑھی اور مونچھیں منڈواتے تھے۔ تصویروں میں انھیں صرف لنگی، کمر کی پٹی اور بازو پر اوپر تعویز باندھے تلوار کھینچے دکھایا گیا ہے''۔[1]

کالی کٹ کی گرندھاولی میں اٹھارویں صدی کے آخری حصے میں پام کے پتے پر لکھے ایک مخطوطے میں متذکرہ بالا کنھی قلندرں کو 'کنجالی مرکار' کا لقب دیا گیا ہے۔ یہ 'اولا' (پام کا پتا) پرتگالی غارت گری کے مخالف زامورین کی طرف سے مرکار روایت کو ازسرِنو زندہ کرنے کی کوشش تھی۔[2]

اکثر ایسا بھی ہوا ہے کہ کوئی کنجالی مرکار جو بڑی مشکل سے جان بچا کر بھاگا تھا، کچھ ہی دن بعد وہ پھر ایک ایسی بہادر بحری فوج کے ساتھ واپس آجاتا، جس کے سپاہیوں کو اپنی موت تک لڑتے رہنے کے عہد پر بھرتی کیا گیا ہوتا۔

جب ۱۷۹۲ء میں سرنگا پٹم کے معاہدے کے بعد حکومت برطانیہ نے مالابار کے انتظامیہ کو اپنے ہاتھ میں لیا تو انھوں نے عام طور پر زمینداروں کی طرفداری کرنے کی پالیسی اپنائی، اس میں بھی اکثریتی فرقے پر خصوصی توجہ مرکوز کی گئی۔ تحفظ کے برطانوی قانون کے تحت جینمیوں (روایتی مالکان زمین) اور برطانوی افسروں نے مل کر مسلمان کاشتکاروں کو لگان بڑھانے اور بے دخلی وغیرہ سے بری طرح دبانا شروع کیا۔ اس فرقے کی تکلیفیں اور پریشانیاں اتنی بڑھ گئیں کہ آخر تنگ آکر انھوں نے لڑنے اور اپنے فرقے کی خاطر مر جانے کا فیصلہ کرلیا۔ انھوں نے اپنے بھائیوں پر ہونے والے ظلم و زیادتی کو پورے فرقے پر ظلم تصور کیا۔ طریقہ یہ تھا کہ جب کوئی مسلمان گروہ کسی برطانوی افسر یا جینمی کو قتل کرنے کا منصوبہ بناتا تھا تو اس گروہ کے لوگ اپنے سب قرضے چکاتے تھے۔ بیویوں کو طلاق دیتے تھے، سر منڈواتے تھے اور اپنا سارا وقت عبادت اور 'ذکر' میں گزارتے تھے۔ اس کے بعد یہ لوگ مامبورم کے باعلاوہ صوفی فضل سید فضل کی دعائیں لینے دور دراز کا سفر کرتے تھے اور پھر اپنے فیصلے پر عمل کرتے تھے۔ یہ لوگ مسجد میں بیٹھ کر برطانوی پولیس کا انتظار کرتے تھے اور ان کے آتے ہی یہ کود کر اُن سے لڑنا شروع کردیتے اور مارے جاتے۔[3] اس سے اُن کے ارادتاً شہید ہوجانے کے فیصلے کا اظہار ہوتا ہے۔

۱- کے۔ اے۔ نظامی، ریلیجن اینڈ پالیٹکس ان انڈیا، ڈیورنگ، دی تھرٹینتھ سنچری، ص ۱۹۵

۲- زامورن مارکار جنگجوؤں کو ڈچ غارتگروں کے خلاف دوبارہ ابھارنے کی کوشش کر رہا تھا

۳- ایف۔ ڈی۔ اسٹیفن نے 'ماپلاز، مسلم کمیونٹی آف ساؤتھ ایسٹ ایشین فرنٹر' میں گہرا مطالعہ کیا ہے

جیسا کہ ڈبلیو۔ فاسیٹ نے 'انڈین انٹیکو ائری، (قدیم نوادرات کا مطالعہ) میں ۱۹۰۱ء میں بیان کیا ہے عورتیں کسی ایسی شہادت کے متمنی فرد سے، جو زندہ واپس آ گیا ہو، بے تعلق ہو جاتی تھیں، اگر یہ مردِ میدان ہوتا تو زندہ واپس نہ لوٹتا۔ یہ فاطمہؑ کے جذبات و احساسات کی ترجمانی تھی۔[۱]

شہداء کو بڑا تقدس و احترام ملتا تھا۔ ان کی قبروں کا احترام ہوتا تھا۔ 'جارام' نصب کیے جاتے تھے۔ پورے تقدس کے ساتھ عرس منعقد ہوتے تھے۔ ان سے کرامات منسوب کی جاتی تھیں اور ان کی زیارت کے لیے لوگ سفر کرتے تھے۔ تبرک تقسیم کیے جاتے، یا جارموں کے محافظ پڑھا ہوا پانی، گنڈے، تعویذ، یا جادوئی نقوش تیار کر کے لوگوں میں بانٹتے۔

جیسا کہ ''تحفہ'' کے مصنف نے بیان کیا ہے، شہید کا درجہ رسول کے بعد سب سے اعلیٰ ہے۔ ''شہیدوں کو مردہ تصور نہ کرو۔ وہ اپنے خدا کے حضور میں زندہ ہیں اور اس کی مرضی سے رزق پا رہے ہیں''۔

مصیبت میں مبتلا عام آدمی 'سیداکان مارٗ (شہید میری مدد کر) کی دعا کرتا تھا۔ ارادتاً شہادت کا متمنی شخص برطانوی انتظامیہ کے لیے زبردست خطرہ تھا۔ ملاپورم کے تمام دیہاتوں میں، باغی ماپلاؤں کے ہاتھوں قتل ہونے والے انگریز افسروں کے مقبرے موجود ہیں۔ اس باغیانہ رجحان کو کچلنے کے لیے انگریزوں نے ماپلا انسداد ایکٹ، پاس کیا تھا۔ انتظامیہ میں بڑی بے چینی تھی کیونکہ یہ بغاوت خزانے پر بھی بہت بوجھ ڈال رہی تھی جب کلکٹر ایچ وی کونولی اپنے بنگلے میں ماپلاؤں کے ہاتھوں قتل ہوا تو برطانوی افسر مالابار میں خدمات انجام دینے سے گریز کرنے لگے۔[۲]

شہادت کے اس عقیدے کا آخری اظہار ۱۹۲۱ء میں خلافت تحریک میں نظر آیا، جسے عام طور پر ماپلا بغاوت کا نام دیا جاتا ہے اور جو حقیقت میں مالابار میں آزادی کی جدوجہد کا ایک حصہ تھا۔

۱۔ ڈبلیو فاسیٹ (W.Fawcet) وار سانگس آف ماپلاز (Indian Antiquary xxx (1901) U.P 501)
۲۔ یہ صوفیت کی طائفہ درجے کے متوازی تنظیم تھی۔